تیسرا پارہ

مولانا محمد اسلم شیخوپوری

سورہ البقرہ میں تشریعی احکام کے ساتھ نبوت ورسالت کا موضوع بھی بیان ہوا ہے، دوسرے پارہ کے آخر میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ خود ربِّ کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دی، یہاں تیسرے پارہ کے آغاز میں ان خصائص کا ذکر ہے جو بعض انبیاء علیہم السلام کو عطاء کیے گئے، کسی کو سیادت وقیادت عطاء ہوئی، کسی کو بلاواسطہ ہم کلامی کا شرف عطاء کیا گیا، کسی کی تائید واضح معجزات سے کی گئی، یہ تمام انبیاء علومرتبہ کے باوجود فضل وشرف میں ایک جیسے نہ تھے بلکہ بعض کو بعض پر فضیلت حاصل تھی، جیسے بعض انبیاء کو دوسرے بعض پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح ان کی امتوں کو ایک دوسرے پر حاصل ہے چونکہ بہت ساری خصوصیات اور امتیازات کی بناء پر ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء پر فضیلت حاصل ہے لہٰذا آپ کی امت کو بھی دوسری تمام امتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

انبیاء کے فضائل اور فرقِ مراتب کو بیان کرتے ہوئے یہ سورت ہمارے سامنے اس آیت کو پیش کرتی ہے جو کتاب اللہ کی افضل ترین آیت ہے، میری مراد آیت الکرسی سے ہے جو پچاس کلمات اور دس جملوں پر مشتمل ہے، اس میں سترہ بار اللہ تعالیٰ کا ذکر آیا ہے کہیں صراحۃً اور کہیں اشارتاً۔ تیسرے پارے میں حضرت ابراہیم اور حضرت عزیز علیہما السلام کے قصے بھی بیان کیے گئے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ قصہ بھی جب انہوں نے نمرود بن کنعان جیسے سرکش اور متکبر بادشاہ کے ساتھ مباحثہ کیا تھا اور وہ قصہ بھی جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ مجھے مردوں کو زندہ کرنے کا منظر دکھایا جائے یونہی حضرت عزیز علیہ السلا کے دل میں ایک تباہ شدہ بستی کو دیکھ کر خیال پیدا ہوا تھا کہ نہ معلوم اس بستی کو دوبارہ کیسے زندہ کیا جائے گا چنانچہ خود ان

پرسوسال کے لیے موت مسلط کردی گئی پھرانہیں زندہ کیا گیا۔

سورہ بقرہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس سورہ میں پانچ جگہ ''احیاءِ موتی'' (مردوں کو زندہ کرنے) کا موضوع ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ اس مقتول کے واقعہ میں جو گائے کا گوشت جسم کے ساتھ لگنے کے بعد زندہ ہوا تھا۔

۲۔ بنی اسرائیل کے ان معاندین کے قصّہ میں جنہوں نے رویتِ باری کا مطالبہ کیا تھا۔

۳۔ اس قوم کے قصّہ میں جو طاعون سے بچنے کے لیے گھروں سے بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔

۴۔ حضرت عزیر اور ۵۔ حضرت ابراہیم علیہما السلام کے قصّہ میں۔

مذکورہ بالا کے علاوہ سورۃ البقرہ میں جو اہم مضامین بیان ہوئے ہیں وہ درجِ ذیل ہیں:

(ا) دین اسلام، انسانیت، انفاق فی سبیل اللہ، اُخوت ومحبت اور فضل واحسان کا دین ہے انسانی فلاح کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کی قرآن نے دعوت نہ دی ہو اور نیکی کا کوئی ایسا کام نہیں جس کی اسلام نے ترغیب نہ دی ہو، سورۃ البقرہ میں انداز بدل بدل کر انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اسکے آداب بھی بتائے گئے ہیں۔

سب سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں اور اخلاص کی بناء پر انہیں حاصل ہونے والے ثواب کو کاشت کار کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو زمین میں ایک دانہ بوتا ہے اور اس سے سات بالیاں اُگ آتی ہیں، ایک ایک بالی میں سوسو دانے ہوتے ہیں یوں کاشت کار زمین کو ایک دانہ دے کر اس سے سینکڑوں دانے واپس لے لیتا ہے، یہی حال اس شخص کا ہے جو اللہ کی رضا کے لیے ایک روپیہ خرچ کر کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں، لاکھوں نیکیاں حاصل کر لیتا ہے۔

(۲۶۱) دوسری طرف وہ شخص ہے جو محض دکھاوے کے لیے صدقہ کرتا ہے اسے اس کسان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو اپنی فصل ایسی چٹان پر بوتا ہے جس پر مٹی کی ہلکی سی تہہ بچھی ہوتی ہے اگر تیز بارش ہو جائے تو مٹی اور بیج دونوں بہہ جاتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی ساری محنت ضائع

چلی جاتی ہے۔(۲۶۴)

صدقہ خیرات کے شرائط اور آداب بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ''مناسب بات کہہ دینا اور درگذر کرنا ایسے صدقہ خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد دل آزاری کی جائے۔''(۲۶۳)

دوسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ ''اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے اور جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کیا ہے اس میں سے بھی عمدہ چیز ہی خرچ کرو اور ایسی ردّی چیز اللہ کی راہ میں دینے کا ارادہ بھی نہ کرنا جو اگر تمہیں دی جائیں تو تم کبھی نہ لوسوائے اس کے کہ تم چشم پوشی کر جاؤ۔(۲۶۷)

تیسرا حکم یہ دیا گیا کہ ''اگر تم صدقات علانیہ دو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر تم چھپا کر ضرورت مندوں کو دو تو تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔''(۲۷۱)

(۲) سورۃ البقرہ میں جو شرعی مسائل بیان کیے گئے ہیں، ان میں ہمارے دور کا ایک اہم مسئلہ ''حرمت رِباء'' بھی ہے، سود خور کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی جو جنات اور شیاطین کے اثرات کی وجہ سے کی وجہ سے خبطی اور دیوانہ ہو جاتا ہے، دنیا میں بھی سود خور کا حال خبطیوں اور پاگلوں جیسا ہوتا ہے، قیامت کے دِن وہ قبر سے بھی یونہی کھڑا ہوگا، اس کے بعد سود پر ایسی وعید سنائی گئی ہے کہ اس جیسی وعید کسی بڑے سے بڑے گناہ پر بھی قرآن میں نہیں آئی ارشاد ہوتا ہے ''اے ایمان والوں! اللہ سے ڈرو اور لوگوں پر تمہارا جو سود باقی رہ گیا ہے، اگر تم واقعی مومن ہو تو اسے چھوڑ دو، لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر تمہارے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔''(۲۷۸۔۲۷۹)

یہاں یہ امر قابلِ غور ہے کہ قرآن نے صدقہ کے فضائل و آداب بیان کرنے کے بعد ربا کے نقصانات اور تباہ کاریاں بیان کی ہیں، اصل میں صدقہ اور ربا دو متضاد نظام ہیں، صدقہ میں احسان، پاکیزگی اور تعاون کا جذبہ ہوتا ہے جبکہ ربا میں بخل، گندگی اور خود غرضی پوشیدہ ہوتی ہے، صدقہ میں دیا ہوا مال واپس لینے کی نیت نہیں ہوتی جبکہ ربا میں اصل زر سے بھی زیادہ لینے کی

شرط ہوتی ہے، صدقہ سے آپس کی محبت بڑھتی ہے جبکہ ربا سے باہمی نفرت میں اضافہ ہوتا ہے، صدقہ کرنے والے کے لیے اللہ کی محبت کا اعلان اور مغفرت کا وعدہ ہے جبکہ سود خور پر لعنت کی وعید اور اعلانِ جنگ ہے، سود کے نفسیاتی، اخلاقی، معاشی اور معاشرتی نقصانات اتنے واضح ہیں کہ اب سود کے حامی بھی دبی دبی زبان سے ان کا اعتراف کرنے لگے ہیں۔

(۳) ربا کی حرمت کا حکم بیان کرنے کے بعد دین، تجارت، باہمی لین دین اور رہن کے احکام بیان کیے گیے ہیں، یہ احکام جس آیت کریمہ میں بیان کیے گئے ہیں وہ قرآن کریم کی سب سے طویل آیت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن، مالی معاملات کو کس قدر اہمیت دیتا ہے اور یہ کہ اسلام دین اور دنیا، عبادت اور تجارت، جسم اور روح سب کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں جو احکام دیئے گئے ہیں ان میں سے چند درجِ ذیل ہیں:

(۱) ادھار کے تمام معاملات میں تحریری دستاویز تیار کر لینی چاہیے۔

(۲) جب ادھار کا معاملہ کیا جائے تو اس کی میعاد ضرور مقرر کر لی جائے اور میعاد بھی ایسی مقرر کی جائے جس میں کوئی ابہام نہ ہو۔

(۳) دورانِ سفر اگر دستاویز کی تیاری ممکن نہ ہو تو رہن رکھ کر بھی قرض لیا جا سکتا ہے۔

(۴) دست بدست تجارت کی صورت میں تحریر ضروری نہیں۔

چونکہ سورہ بقرہ میں نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ، جہاد، صدقہ، ربا، طلاق اور عدّت جیسے متعدد شرعی احکام بیان ہوئے ہیں اس لیے سورت کے اختتام پر یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔'' (۲۸۵)

یونہی سورت کا اختتام جامع ترین دعاء پر کیا گیا ہے جس میں مسلمانوں کو سکھایا گیا ہے کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں درخواست کیا کریں کہ اے اللہ! اگر احکام کی تعمیل میں ہم سے کوئی غلطی ہو جائے تو معاف کر دینا...... جب تک مسلمان، احکامِ الٰہیہ پر اپنی استطاعت کے مطابق عمل کرنے کے ساتھ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر استغفار کرتے رہیں گے نیز وہ اللہ تعالیٰ سے دُعاء اور التجا

کرتے رہیں گے تو ان شاء اللہ یہود جیسے انجامِ بد سے بچے رہیں گے۔

سورۂ آلِ عمران

تیسرے پارہ کے آٹھ رکوع تو سورہ بقرہ پر مشتمل تھے، اب نویں رکوع سے سورہ آلِ عمران کا آغاز ہوتا ہے، یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے، اس میں بیس رکوع اور دوسو آیات ہیں، چونکہ اس سورت میں حضرت عمران علیہ السلام کے خاندان کا قصہ بیان کیا گیا ہے، اس لئے اس کا نام ''آلِ عمران'' رکھ دیا گیا۔ اس سورت کی فضیلت کے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ دو روشن سورتیں یعنی بقرہ اور آلِ عمران پڑھا کرو۔''

ان دونوں سورتوں کے مضامین میں حد درجہ مناسبت پائی جاتی ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دوسورتوں کو ''زھراوین'' (دو روشن چیزیں یا شمس وقمر) قرار دینا بھی ان کے درمیان مناسبت کو ظاہر کرتا ہے علاوہ ازیں ان دونوں سورتوں میں اہلِ کتاب سے خطاب ہے مگر سورۃ البقرۃ میں زیادہ تر روئے سخن یہود کی طرف تھا جبکہ آلِ عمران میں اصل خطاب نصاریٰ سے ہے، پھر یہ کہ دونوں سورتوں کا آغاز حروفِ مقطعات میں سے ''الم'' کے ساتھ ہوا ہے اور دونوں ہی سورتوں کی ابتداء میں قرآن کریم کی حقانیت کو بیان کیا گیا ہے۔

اس سورۃ کی تقریباً اسّی آیات اس وقت نازل ہوئیں جب نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وفد میں نصاریٰ کے ساٹھ افراد شامل تھے، وفد کے شرکاء نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مباحثہ کیا اور انہیں معاذ اللہ! اللہ کا بیٹا ثابت کرنے کی کوشش کی اور اس سلسلہ میں ان آیات سے استدلال کیا جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ یا روح اللہ قرار دیا گیا ہے، ان کے اس غلط استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ اللہ کے کلام میں دو قسم کی آیات ہیں، بعض آیات وہ ہیں جو اپنی مراد پر دلالت کرنے میں بالکل واضح ہیں، ایسی آیات کو محکمات

کہا جاتا ہے، اور قرآن کریم کا غالب حصہ محکمات پر ہی مشتمل ہے، اور دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جن کی حقیقی اور یقینی مراد اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں یا جن میں کسی بھی وجہ سے اشتباہ پایا جاتا ہے، ایسی آیات کو متشابہات کہا جاتا ہے، جو حق کے متلاشی ہوتے ہیں، وہ ہمیشہ محکمات کی پیروی کرتے ہیں اور جن کے دل میں کجی اور دماغ میں فتور ہوتا ہے وہ متشابہات کی غلط سلط تاویل کرنے اور ان کی مراد تک پہنچنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں......کلمۃ اللہ اور روح اللہ جیسے الفاظ، متشابہات کی قسم میں سے ہیں، ان متشابہات کی بنیاد پر شرکیہ عقائد کی عمارت کھڑی کرنا، پانی پر نقش بنانے کے سوا کچھ نہیں، توحید اور ایمان کے دلائل بالکل واضح ہیں ان کا انکار وہی شخص کرسکتا ہے جو بصیرت سے بالکل کورا ہو، اس کائنات کی ہر چیز یہاں تک کہ خود باری تعالیٰ، اس کے فرشتے اور نیک علماء توحید کی گواہی دیتے ہیں۔(۱۸)

جیسے اللہ توحید کی گواہی دیتا ہے، اسی طرح وہ اس بات کی بھی گواہی دیتا ہے کہ اس کے نزدیک پسندیدہ دین صرف اسلام ہے، یہود و نصاریٰ کا اس کی حقانیت کے بارے میں جھگڑا کرنا سوائے کفر و عناد کے اور کچھ نہیں۔

اگلی آیات میں مسلسل اہلِ کتاب کی مذمت کی گئی ہے اور ان کے جرائم بیان کئے گئے ہیں، یہی ہیں جنہوں نے انبیاء کو قتل کیا، خون ریزی کی، اللہ کے نیک بندوں پر مظالم ڈھائے (۲۱)، مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ وہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں۔(۲۸) کیونکہ اسلام اور کفر کے درمیان کوئی رشتہ اور ناتا نہیں ہے اور کافر کبھی بھی مسلمان کے ساتھ مخلص نہیں ہوسکتا۔

تین عبرت آموز قصّے:

اگلی آیات میں سورۂ آلِ عمران تین عبرت آموز قصے بیان کرتی ہے، یہ تینوں قصے خوارقِ عادت کے قبیل سے ہیں اور تینوں اللہ کی عظیم قدرت پر دلالت کرتے ہیں، پہلا قصہ حضرت مریم علیہا السلام کی ولادت کا ہے، جنہیں عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کی زوجہ اور ان کے بیٹے کو اللہ

تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا اور یوں بدترین گمراہی کا شکار ہو گئے۔

حضرت مریم علیہا السلام کے والد حضرت عمران، اللہ کے نیک بندے تھے اور آپ کی والدہ ''حنّہ بنت فاقوذ'' صاحبِ کردار اور پاک خاتون تھیں، عرصہ تک ان کے ہاں بچہ پیدا نہ ہوا، ایک دن پرندے کو دیکھا کہ وہ اپنے بچے کو دانہ کھلا رہا تھا، دیکھ کر دل مچل گیا، اولاد کی آرزو پیدا ہوگئی اللہ کے حضور دامن پھیلا کر درخواست کی اور نذر مانی کہ اگر تو مجھے اولاد عطاء فرمادے تو میں اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گی، اللہ نے دُعا قبول فرمالی، ان کے ہاں بیٹی پیدا ہوگئی، دستور یہ تھا کہ بیت المقدس کی خدمت کے لیے لڑکوں کو قبول کیا جاتا تھا لڑکیوں کو قبول نہیں کیا جاتا تھا، ایک سانحہ یہ بھی پیش آ گیا کہ نومولود بچی کے والد انتقال فرما گئے، اللہ تعالیٰ نے سابق دستور کے خلاف زوجۂ عمران کی نذر قبول فرمالی اور اپنے زمانے کے بہترین انسان حضرت زکریا علیہ السلام کو بچی کی کفالت اور تربیت کے لیے منتخب فرمالیا، حضرت زکریا علیہ السلام نے بچی کی کرامتیں اور بے موسم کا پھل دیکھا تو ایک دن پوچھا ''اے مریم! یہ رزق تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کے ہاں سے آتا ہے، بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے'' (۳۷) معصوم بچی کا ایمانی جواب سن کر حضرت زکریا علیہ السلام کے دل میں بھی اولاد کی آرزو جاگ اٹھی حالانکہ ان کی عمر سو سال سے تجاوز کر چکی تھی اور بیوی بھی بوڑھی ہو چکی تھی، بانجھ تو تھی ہی، لیکن ظاہری اسباب کی مخالفت کے باوجود انتہائی عجز وانکسار کے ساتھ ''اپنے رب سے دُعاء کی کہ اے میرے رب! مجھے اپنی خصوصی عنایت سے نیک اولاد عطاء فرما، بے شک تو ہی دُعاؤں کو قبول کرنے والا ہے'' (۳۸) اللہ تعالیٰ نے شکستہ دلی سے کی گئی دُعاء قبول فرمالی اور ایسے بیٹے کی بشارت سنائی جو چار صفات کا حامل ہوگا۔

۱- وہ ''کلمۃ اللہ'' یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرے گا اور آپ پر ایمان لائے گا۔

۲- وہ علم وتقویٰ اور زہد وعبادت میں سیادت کے مقام پر فائز ہوگا۔

۳- وہ انتہائی عفیف ہوگا، قدرت اور قوت کے باوجود عورتوں کے قریب نہیں جائے گا۔

۴- اور وہ انبیاء اور صلحاء کی جماعت کا ایک فرد ہوگا۔

تیسرا عبرت آموز قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ہے، اگر حضرت مریم اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا قصہ اس اعتبار سے عجیب اور قدرتِ الٰہیہ کا نمونہ تھا کہ ان کے والدین بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ چکے تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ عجیب ترین ہے کیونکہ آپ کی ولادت، والد کے بغیر سراسر معجزانہ طریقے پر ہوئی، جب فرشتوں نے حضرت مریم کو بیٹے کی ولادت کی خبر دی تو انہوں نے بڑے تعجب سے کہا: ''میرے ہاں بچہ کیسے پیدا ہوگا؟ حالانکہ مجھے کسی انسان نے ہاتھ تک نہیں لگایا'' اللہ کی طرف سے جواب دیا گیا کہ ''اسی طرح ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے، جب وہ کسی کام کے کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے''۔(۴۷)

سیدنا مسیح علیہ السلام کو باری تعالیٰ نے مختلف معجزات عطاء فرمائے لیکن ان معجزات کو دیکھ لینے کے باوجود یہود کو ایمان قبول کرنے کی سعادت حاصل نہ ہوئی اور انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا عزم کر لیا، دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچانے کی تدبیر کر لی، پھر سب نے دیکھ لیا کہ اللہ ہی کی تدبیر غالب رہی، ارشاد باری تعالیٰ ہے ''انہوں نے بھی تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے اچھا ہے'' (۵۴) یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معاذ اللہ سولی دے کر قتل کر دیا، عیسائی کہتے ہیں کہ انہیں سولی دے کر قبر میں دفن کر دیا گیا تھا، تین دِن تک وہیں رہے پھر قبر پھٹی اور آسمانوں پر چلے گئے اور وہاں رب کے عرش پر تشریف فرما ہوگئے، متحدہ ہندوستان میں ایک مدعی نبوت کی اقتداء کرنے والے فرقے کا دعویٰ ہے کہ آپ سولی پر زخمی ہوگئے تھے، آپ کو مُردہ سمجھ کر قبر میں دفن کر دیا گیا، شاگردوں نے آپ کا علاج کیا جس سے آپ تندرست ہوگئے پھر آپ ہجرت کر کے کشمیر گئے وہیں آپ کا انتقال ہوا، ان تمام دعاوی کے برعکس قرآن کا دعویٰ اور اہلسنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ یہ

ہے کہ آپ کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا، آپ قیامت کے قریب آسمان سے اتریں گے، اور پھر اپنی زندگی پوری فرما کر طبعی موت مریں گے۔ سورۂ آلِ عمران میں ہے "جس وقت اللہ نے فرمایا میں تجھے اسی وقت موت دوں گا جو وقت موت کے لئے مقرر ہے اور فی الحال میں آپ کو اپنی طرف اُٹھا لیتا ہوں اور میں تجھے کافروں کے الزامات سے پاک کئے دیتا ہوں اور تیری اتباع کرنے والوں کو قیامت کے دِن تک کافروں پر غالب کردوں گا۔" (۵۵)

نجران کے وہ عیسائی جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بحث ومناظرہ کے لئے مدینہ منورہ آئے تھے جب وہ تمام دلائل سننے کے باوجود حق کا اعتراف کرنے پر تیار نہ ہوئے تو اللہ کے حکم سے آپ نے انہیں مباہلہ کی دعوت دی یعنی یہ کہ تم اپنے اہل وعیال کو لے آؤ میں اپنے اہل وعیال کو لے آتا ہوں پھر ہم مل کر خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دُعاء کرتے ہیں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو (۶۱)۔ عیسائیوں کا یہ وفد جو ساٹھ افراد پر مشتمل تھا اور اس میں ان کے چودہ انتہائی سربرآوردہ مذہبی رہنما شامل تھے ان میں سے کوئی بھی مباہلہ کے لئے تیار نہ ہوا بلکہ آپ کو جزیہ دینے پر راضی ہوگئے۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد سورۃ البقرۃ تمام اہلِ کتاب کو خواہ وہ یہود ہوں یا نصاریٰ، ایک ایسے کلمہ پر متفق ہوجانے کے کی دعوت دیتی ہے جس کی تلقین تمام انبیاء نے کی ہے اور جس کی تعلیم چاروں کتابوں سمیت تمام آسمانی صحیفوں میں دی گئی ہے اور وہ ہے کلمہ توحید "لا الٰہ الا اللہ"، یعنی ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ (۶۴)

یہود ونصاریٰ کی بدعملیوں، بددیانتیوں اور ان کے جھوٹ اور افتراء کو بیان کرنے کے بعد سورہ آلِ عمران بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے یہ عہد لیا تھا کہ اگر ان کی موجودگی میں خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ السلام تشریف لے آئے تو تم سب آپ پر ایمان لاؤ گے اور اگر تمہاری موجودگی میں وہ نہ آئے تو پھر تمہارے امتی اور اَتباع ان پر ایمان لانے کے پابند ہوں گے۔ (۸۱)

انبیاء سے عہد، حقیقت میں ان کی امتوں سے عہد تھا مگر افسوس کہ ان انبیاء کی امتوں نے اس عہد کی پاسداری نہ کی اور تصدیق اور مدد کی بجائے وہ تکذیب اور مخالفت پر تُل گئے ۔ یہ آیت کریمہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو سید الانبیاء ثابت کرتی ہے۔ تیسرے پارہ کے اختتام پر اس بات کی وضاحت کردی گئی ہے کہ ایمان اور کفر دو ایسی ضدیں اور نقیضیں ہیں جو جمع نہیں ہوسکتیں، اسی لئے ان لوگوں کی سخت مذمت بیان کی گئی ہے جو ایمان سے مرتد ہو جاتے ہیں، ضلالت کو ہدایت پر ترجیح دیتے ہیں اور جن کا حالتِ کفر میں انتقال ہو جاتا ہے۔

☆......☆......☆

پیشکش: ابوزبیر

[www_alkalam_pk@yahoo.com]